THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3, No.4, 2025

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

اسلام اور مغربی تہذیب کی باہمی کشمکش: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

The Mutual Struggle Between Islam and Western Civilization: A Research and Critical Study

Prof. Dr. Hafiz Muhammad Abdul Qayyum
Professor, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore, Pakistan.
qayyum.szic@pu.edu.pk

Abstract

This research paper presents a critical and analytical study of the ongoing mutual struggle between Islam and Western civilization. The study traces the intellectual roots of the "Clash of Civilizations" thesis, beginning with Arnold Toynbee's concept of "encounter" and Bernard Lewis's articulation of "Muslim rage," culminating in Samuel P. Huntington's influential but problematic theory. The research critically examines how Western scholars, policymakers, and intellectuals have constructed a narrative of inevitable civilizational conflict, particularly targeting Islam as the primary future threat to Western hegemony. The study analyzes the historical and intellectual foundations of Western civilization, highlighting its inherent flaws, including the absence of a comprehensive sacred law within Christianity, which led to secularism, excessive individualism, the destruction of the family system, sexual permissiveness, environmental degradation, and the loss of objective meaning in life. By contrast, the research presents Islam as a complete and balanced civilization rooted in divine guidance (Shari'ah), which integrates spiritual and material dimensions, prioritizes both individual and communal rights, preserves the family as the fundamental social unit, and views nature as subservient to humanity rather than an enemy to be conquered. The study demonstrates that while Western civilization seeks universal dominance through political and economic power, Islamic civilization offers a universal message based on justice, mercy, and moral excellence, as embodied in the Prophetic mission of mercy to all worlds (Rahmatan lil-'Alamin). The research concludes that the alleged inevitable clash is not a natural outcome but a constructed narrative serving Western geopolitical interests, and that genuine civilizational dialogue remains possible through mutual respect, justice, and recognition of shared human values.

Key Words: *Clash of Civilizations, Western civilization, Islamic civilization, Huntington, mutual struggle, secularism, civilizational dialogue*

تعارف موضوع

عصری دنیا میں تہذیبوں کے درمیان کشمکش ایک اہم اور متنازع موضوع بن چکا ہے۔ خصوصاً اسلام اور مغربی تہذیب کے مابین تعلقات کو اکثر تصادم اور محاذ آرائی کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے۔ سیموئیل ہنٹنگٹن نے اپنی مشہور کتاب "The Clash of Civilizations" میں یہ نظریہ پیش کیا کہ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد مستقبل کے تنازعات نظریاتی یا معاشی نوعیت کے نہیں ہوں گے بلکہ یہ تہذیبی اور ثقافتی بنیادوں پر ہوں گے۔ اس نظریے کے مطابق اسلام اور مغربی تہذیب کے مابین تصادم ناگزیر ہے۔ اس سے پہلے ٹائن بی، برنارڈ لیوس اور فرانسس فوکویاما جیسے مفکرین نے بھی اسلام اور مغرب کے درمیان کشیدگی کو مختلف انداز میں بیان کیا تھا۔ ان مفکرین کے نظریات نے مغربی پالیسی سازوں کو اسلام کے خلاف ایک منظم

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

اور منفی پروپیگنڈے کا موقع فراہم کیا۔ زیر نظر مقالے میں اسلام اور مغربی تہذیب کے درمیان اس باہمی کشمکش کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں مغربی مفکرین کے نظریات کا تجزیہ، مغربی تہذیب کے بنیادی مسائل اور اسلامی تہذیب کے متوازن اور جامع تصور کو واضح کیا گیا ہے۔ یہ تحقیق اس تصادم کو سمجھنے اور اس کے مدمقابل اسلامی نقطہ نظر پیش کرنے کی اہم کوشش ہے۔

عصری تہذیبی تصادم کا مفہوم:

ٹائن بی نے "Encounter" کا لفظ استعمال کرتے ہوئے غیر مغربی ثقافتوں کے ساتھ تصادم کا اظہار کیا۔ جیسا کہ الفاظ یوں ہیں:

> *"... our Western Society has been encountered by some contemporary non-Western society."*[1]

نیز اس "Encounter" کو مختلف ایشیائی ریاستوں کے ساتھ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ برنارڈ لیو اس نے The Roots of the" Muslim Rage میں مسلمان دشمنی اور اسلام کے ساتھ غم وغصے کا ذکر کر کے پہلی بار "The Clash of Civilizations" کی اصطلاح استعمال کی۔ فرانسس فوکویاما نے "End of History and the Last Man" لکھ کر جس بحث کا آغاز کیا، ہن ٹنگٹن نے Clash of Civilizations کے مفروضے یا مغالطے کے ذریعے سے آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ اس مفروضے یا نظریے کا سرا ہن ٹنگٹن کے سر نہیں ہے بلکہ یہ وہی بات ہے جس کو ہن ٹنگٹن کے پیش رو کسی نہ کسی انداز میں پیش کر کے اسلام دشمن رویے کی عکاسی کرتے رہے ہیں۔ مستشرقین کی اسلام دشمن کاروائی اور اسلام کو بدنام کرنے کی پالیسی بھی اس منصوبے کا شاخسانہ ہے۔ لہٰذا ہن ٹنگٹن نے تہذیبوں کا تصادم ۱۹۹۳ء کے گرما کے فارن افیر زنامی شمارے میں واضح طور پر کہا ہے کہ تصادم عالمی سطح پر غالب رہے گا اور بڑا تصادم مغربی اور غیر مغربی تہذیبوں کے مابین ہوگا اور اس تصادم کی بنیاد تہذیبی ہوگی یا ثقافتی "ہن ٹنگٹن نے مستقبل کے جھگڑوں کو نظریاتی کی بجائے تہذیبی" قرار دیا ہے۔[2] اور اس طرح مستقبل میں تہذیبوں کے مابین جنگ کو یقینی صورت دینے کی کوشش کی ہے۔ ہن ٹنگٹن نے اس تصادم کو زیادہ تر اسلام اور چین کے ساتھ وابستہ کرنے کی طرف زور دیا ہے۔[3] اور اسی وجہ سے مغرب کو اسلام اور چین کے خلاف استحصالی ہتھکنڈوں کا پورا اختیار ہے۔[4] ہن ٹنگٹن نے واضح کیا ہے کہ سرد جنگ کے خاتمے سے لیکر اب تک نئی ظہور میں آنے والی عالمی صورت حال کے امکانی جائزے کیلئے بہت سی فکری اور سیاسی کوششیں کی گئی ہیں انہی میں فرانسس فوکویاما کا "تاریخ کے خاتمے کا نظریہ "بش انتظامیہ کے بعد کے زمانے میں پیش کیا جانے والا" نظریہ ہے۔ عالمی نظام کا نام نہاد تصور بالکل حال ہی میں پال کینیڈی کونر روبر، اوبرائن اور ایرک ہوبز بام جیسے دانشوروں نے جنہوں نے نئی ہزاری کے امکانات پر نظر ڈالی ہے مستقبل کے تصادمات کے امکانات پر خاص توجہ صرف کی ہے۔ ہن ٹنگٹن کی پیش قیام کا بنیادی نکتہ ایک نا مختتم تصادم سے عبارت ہے۔[5] ہن ٹنگٹن دراصل تصادم کا جو تصور پیش کرتا ہے وہ سرد جنگ کے نظریئے ہی کا نقش ثانی ہے جس کی رو سے عصری تصادم کے پس منظر میں مغربی تہذیب ہی وہ نقطہ ساکت یا متعین مقام ہے جس کی جانب ہن نگٹن کے نزدیک باقی تمام قوموں کو اپنا رخ پھیرنا ہوگا۔ ہن ٹنگٹن اور بعض امریکی دانش وروں اور تجزیہ نگاروں کی فکر کا ماحصل

---

[1] Toynbee, Arnold, Civilization on Trial, p.277

[2] ایضاً۔ ص ۲۰۔

[3] ایضاً۔ ص ۲۰۔

[4] ایضاًص ۲۰۔

[5] ۔ فراقی، تحسین، فکریات، ۲۵۰۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.3, No.4, 2025
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

یہ ہے کہ سوویت یونین کی شکست وریخت کے بعد اگلا ہدف اسلام ہے اور اکیسویں صدی میں اسلام اور مغربی تہذیب کے درمیان تصادم کی صورت پیدا ہو سکتی ہے نیز مستقبل میں ایک ممکنہ اسلامی بلاک مغربی تہذیب اور اس کے مفادات کے لیے خطرے کا باعث بن سکتا ہے۔

برنارڈ لیوس نے بھی اس فکر کا اظہار کیا ہے کہ اسلام اور عیسائیت دو مختلف و متخالف تہذیبیں ہیں جو ایک دوسرے سے الگ طرز فکر کی حامل ہیں۔ گذشتہ تیرہ صدیوں سے دونوں کے درمیان کشمکش کی صورت موجود رہی ہے اور اسلام کے لیے مغربی سیکولرزم اور جدیدیت قابل قبول نہیں ہیں۔ لہذا ان میں تصادم ناگزیر ہے۔ سموئیل پی ہن ٹنگٹن کو یقین ہے کہ اسلام اور کنفیوشس ازم چونکہ مغرب سے مختلف روایات واقتدار کے حامل ہیں اس لیے مغرب کے خلاف ان کے متحد ہونے کے امکانات ہیں۔ انسان دوستی، آزاد خیالی، جمہوریت پسندی، حقوق انسانی، آزادی، قانونی بالادستی، آزاد تجارت اور کلیسا اور ریاست کی علیحدگی جیسی روایات چونکہ اسلامی اور کنفیوشس تہذیب میں نہیں پائی جاتی ہیں اس لیے ان کا مغرب سے تصادم ناگزیر ہے۔

فوکویاما کے مطابق نظریاتی کشمکش ہی انسانی تاریخ کی اصل قوت محرکہ ہے۔ اس کشمکش میں صرف اعلیٰ نظریات ہی زندہ رہ سکتے ہیں۔ جبکہ کمتر اور فرسودہ نظریات مٹ جاتے ہیں، مغرب نے سوشلسٹ نظریے کے حامل سوویت یونین کو شکست دے کر اپنے نظریہ کی برتری ثابت کر دی ہے۔ لہٰذا اب تاریخی ارتقا اپنے اختتام کو پہنچ چکا ہے۔ ہن ٹنگٹن نے مغرب کے خلاف عالم اسلام اور کنفیوشس یا چینی تہذیبوں کے اشتراک اور اتحاد کے بارے میں جن خدشات کا اظہار کیا ہے اس سے انیسویں صدی میں یورپ کے پروپیگنڈہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جو اس نے پان اسلام ازم اور "زرد خطرہ" جیسی نام نہاد اصطلاحات گھڑ کر پھیلانے کی کوشش کی تھی۔ "زرد خطرہ" کی اصطلاح مغرب کو جاپانی خطرہ کا احساس دلانے کے لیے وضع کی گئی، کیونکہ جاپانیوں نے مغرب کی نام نہاد آزاد منڈی میں جو حقیقتاً ایشیا اور افریقہ کے معاشی استحصال کیلئے قائم کی گئی تھی۔ سستی اشیاء کے انبار لگا کر مغربی ممالک کی نیندیں حرام کر دی تھیں۔ اب اس "زرد خطرہ" کی اصطلاح کو کنفیوشس تہذیبی خطرہ کی صورت میں پیش کر دیا گیا ہے غالباً چینی قوم اہل مغرب کی نظر میں زرد نسل ہونے کیوجہ سے اس لیے بھی زرد خطرہ ثابت ہو سکتی ہے کہ صدی رواں میں اس کے ایک معاشی قوت کے ابھرنے کے بے پناہ امکانات موجود ہیں۔[6] سموئیل ہن ٹنگٹن نے سرد جنگ اور سوویت یونین[7] کے انہدام کے بعد نئی دنیا کے نئے انداز کو فروغ دیا ہے۔ یعنی یہ نئی دنیا کثیر قطبی اور کثیر تہذیبی ہو چکی ہے یہ تصادم مختلف تہذیبوں کے مابین شکوک وشبہات کی بناء پر جنم لیتا ہے جو (شبہات) وسط ایشیا میں امریکی مداخلت کا نتیجہ ہیں۔ جیسا کہ عراق اور افغانستان اسی منصوبے کی عکاسی کرتے ہیں۔ ہر معاشرے کے اپنے اندرونی مسائل ہیں جو کہ معاشرتی، گروہی، معاشی اور سیاسی شکوک وشبہات واختلافات کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ گویا ہن ٹنگٹن نے مستقبل میں تہذیبی بنیادوں پر تصادم کو یقینی صورت دینے کی کوشش کی ہے۔

> *"...future conflicts will be sparked by cultural factors rather than economics or ideology."*[8]

[6] فراقی، تحسین، فکریات، اکادمی بازیافت، کراچی، ۲۰۰۴ء، ص ۱۰۵۔

[7] Politics and the Soviet Union, p. 13.

[8] The Clash of Civilizations and Remaking of World Order, p.28.

یعنی مستقبل کے جھگڑے معاشی یا نظریاتی کی بجائے ثقافتی عوامل کی بناء پر وقوع پذیر ہوں گے۔ ہن ٹنگٹن نے تہذیبوں کے تصادم کو یقینی صورت دیتے ہوئے کہاہے:

"...the potentially most dangerous enmities occur across the fault lines between the world's major civilizations."[9]

یعنی مستقبل کے جھگڑے معاشی یا نظریاتی کی بجائے ثقافتی حوال کی بناء پر قوع پذیر ہوں گے۔ ہن ٹنگٹن نے اپنی کتاب کے آغاز میں ہی لکھاہے کہ تصادم کی نوعیت تہذیبی ہو چکی ہے۔

مزید لکھتے ہیں:

"In this new world, local politics is the politics of ethnicity; global politics is the politics of civilizations. The rivalry of the superpowers is replaced by the clash of civilizations."[10]

یعنی عالمی سیاست تہذیبوں کی سیاست ہے۔ سپر پاوروں کی رقابت[11] کی جگہ تہذیبوں کے تصادم نے لے لی ہے۔ یہ تصادم مختلف ثقافتی اکائیوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے درمیان ہوں گے:

"In this new world the most pervasive, and dangerous conflicts will not be between social classes, rich and poor, or that economically defined groups, but between peoples belonging to different cultural entities."[12]

ہن ٹنگٹن کے اس نظریہ سے مراد مغرب کے ایشیائی ممالک کے ساتھ تعلقات کا استوار کرنا اور اسلامی اور چینی تہذیب کو معاشی اور نیوکلیائی ہتھیار سازی سے روکنا ایک اہم عامل ہے:

"In the short term, it is clearly in the interests of the West to promote greater cooperation and unity within its own civilization, to incorporate into the West societies in Eastern Europe and Latin America, to promote cooperation relations with Russia and Japan, and to limit the expansion of the military strength of Confucian and Islamic states, in the longer term, as the military and economic strength of non-western civilizations increase, the west must develop a more profound undertaking of these civilizations and expend major efforts to coexist with them in an increasingly interpenetrated global society."[13]

[9] Ibid, 20.

[10] Ibid, 28.

[11] مسعود، مفتی، ملٹی نیشنل کمپنیوں کی اسلام دشمنی، علم وعرفان پبلی شر،لاہور، ۲۰۰۳ء، ص۹۔

[12] The Clash of Civilizations and Remaking of World Order, p.28.

[13] Retrieved from: http://www.ael.org/issue/29196

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.3, No.4, 2025
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

سیموئیل ہن ٹنگٹن کے اس نقطہ نگاہ سے لوگ مختلف درجہ متاثر دہشت زدہ اور حیران رہ گئے کہ آنے والی عالمی سیاست مختلف تہذیبوں سے وابستہ مختلف گروہوں کے درمیان تصادم کا نتیجہ ہو گی۔ یہ تصادم اس عالمی سیاست کی مرکزی اور سب سے خطرناک جہت ہو گی:

"People were variously impressed, intrigued, outraged, frightened, and perplexed by my argument that the central and most dangerous dimension of the emerging global politics would be conflict between groups from differing civilizations."[14]

ہن ٹنگٹن یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ اسلام اور مغربی تہذیب کے درمیان تصادم ناگزیر ہو چکا ہے۔ یعنی وہ زیادہ سنگین تصادم اسلام اور چین کیساتھ وابستہ کرتا ہے:

"The West's universalist pretentions increasingly bring it into conflict which other civilizations, most seriously with Islam and China."[15]

ہن ٹنگٹن نے تو مغرب کی عالمی بالادستی قائم رکھنے کا خفیہ ایجنڈا صاف صاف لفظوں میں بیان کرتے ہوئے اپنے اس خدشے کا بھی برملا اظہار کیا ہے کہ اسلام کا عالمی تحرک طاقت کے موجودہ توازن کو درہم برہم کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے مغربی قیادت اور اسکالرز کو تجویز کیا ہے کہ وہ اسلامی اور چینی تہذیبوں کو مزید ترقی اور فروغ سے روکیں انہوں نے یہ بھی تجویز کیا ہے کہ مغرب کو دوسری تہذیبوں کے خلاف ایسی استحصالی حکمت عملی پر کاربند ہونا چاہیے کہ صرف وہی دنیا کی بالادست تہذیب کے طور پر قائم رہ سکے:

"Asian civilizations are expanding their economic, military, and political strength, Islam is exploding demographically with destabilizing consequences for Muslim countries and their neighbors; and non-western civilizations generally are reaffirming the value of their own cultures."[16]

اسلامی احیا کی تحریک کو مغرب کے لیے بہت بڑا خطرہ قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تحریک علمی ثقافتی، سماجی اور سیاسی اعتبار سے تمام اسلامی دنیا میں چھائی ہوئی ہے ابتداوا حیاء اسلام کو سیاسی اسلام کا نام دیتے ہوئے اس سے شدید خوف زدہ ہے چنانچہ رقم طراز ہے:

"The Islamic resurgence is the effort by Muslims to achieve this goal. It is a broad intellectual, cultural, social, and political movement prevalent throughout the Islamic world. Islamic "fundamentalism" commonly conceived as political Islam, is only one component in the much more extensive revival of Islamic ideas, practices, and rhetoric and the rededication to Islam by Muslim populations. The Resurgence is mainstream not extremist, pervasive not isolated."[17]

یعنی وہ اسلامی احیا کو ایک سیاسی تحریک کا نام دیتا ہے اور اسلامی بنیاد پرستی نیز مسلم آبادی کے اسلام سے تجدید عہد وفا سے اس کا خوف عیاں ہے۔

---

[14] The Clash of Civilizations and Remaking of World Order, p. 13.

[15] Ibid, p. 20.

[16] Ibid, p. 20.

[17] Ibid, p.110.

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.3, No.4, 2025
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

پان اسلام ازم کا شور مچا کر دراصل یورپ کے صحافی اور پالیسی ساز ایک طرف تو یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ مسلمانوں نے متحد ہو کر عیسائی یورپ پر چڑھائی کا منصوبہ بنایا ہے اور دوسری طرف وہ صلیبی فتنے کو جگا کر مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنا چاہتے تھے ہو سکتا ہے کہ کمزور مسلم ممالک طاقتور مغربی سامراج کے مقابلے میں متحد ہونے کی خواہش رکھتے ہوں لیکن اس کو بھی مغرب پر فتح کرنے کا دیرینہ اسلامی منصوبہ بنا کر پیش کیا گیا۔[18]

مغرب کے نظریہ ساز اور ان کے ذرائع ابلاغ جب اسلام کو مستقبل کا خطرہ قرار دیتے ہیں تو اس سے مسلمان اپنے ماضی کے تجربات کی روشنی میں یہ مجھے میں حق بجانب ہیں کہ یہ اسلام کے خلاف مغرب کے ہتھکنڈے دراصل اسلام اور مسلمان ممالک کو معاشی اور سیاسی لحاظ سے مفلوج کرنے کی کوششیں ہیں۔ تہذیبوں کی بات کرتے ہوئے ہن ٹنگٹن ایک جانبدار شخص نظر آتا ہے جو بقیہ تمام تہذیبوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف ایک مغربی تہذیب کا کیل نظر آتا ہے اسکے نزدیک اسلام کنفیوشس ازم اور دوسری پانچ تہذیبیں ہیں (ہندو، جاپانی، سلاوی، راسخ العقیدہ، لاطینی امریکی اور افریقی) جو مختلف طور پر ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔ ہن ٹنگٹن کے پیش کردہ تصورات تہذیبی موافقت پر نہیں بلکہ دنیاؤں کے مابین آویزش اور تصادم پر مبنی ہیں۔ ہن ٹنگٹن کا یہ رویہ کہ اسلام اور مغربی تہذیب کی معاندت پر مبنی ہے۔[19] نہ صرف ایک تہذیب مغربی تہذیب تمام دنیا پر حکمرانی کا جواز رکھتی ہے۔ آفاقی ہے اور نا قابل تسخیر ہے دراصل مغربی کے نعرۂ مساوات کا خود ہی رد کرنے کیلئے کافی ہے نیز اس سے تہذیبوں میں قربت پیدا ہونے کی بجائے تصادم وبعد ہی پیدا ہو گا۔ دراصل ہن ٹنگٹن کا نقطہ نظر حقیقت پر مبنی نہیں ہے، محض ایک واہمہ ہے۔ مغرب کے خوف کو چھپانے کی تدبیر ہے جو اس کو تمام امت مسلمہ سے لاحق ہے۔ کیونکہ اسکو اپنا وجود خطرے میں پڑتا دکھائی دیتا ہے اور اس کا الزام وہ اسلام کو قرار دیکر اپنا دفاع کرنا چاہتا ہے اور یہ اس کی خام خیالی ہے کہ مغرب ایک بالا دست تہذیب ہے۔ اسلام افضل ہے اور افضل ہی رہے گا۔ قومی ریاست کا مغربی تصور اس لیے بھی نا قابل قبول ٹھہراتا ہے کہ یہ نہ صرف انسانیت کو مختلف گروہوں میں منتشر کرتا ہے بلکہ انسانوں کے درمیان تفریق پیدا کرنے کا ذریعہ بھی ہے، جو امت کے اساسی تصور کے سراسر خلاف ہے ان کے نزدیک مسلمانوں کا آئین قرآن ہے جس کے مطابق قانون کی بجائے شریعت کو بالا دستی ہے۔ انسان دوسری اور آزاد خیالی کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں کیونکہ پر مسلمان اسلامی تعلیمات کے مطابق عمل کرنے کا پابند ہے۔

ٹائن بی نے اسلام اور مغرب کے درمیان کشیدگی کو "encounter" سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

"... the present encounter between Islam and the West will have on the future of mankind no influence whatsoever."[20]

[18] Ibid, p.105-06.

[19] Ibid, p.184.

[20] Toynbee, Civilization on Trial, p.201.

مزید برآں مذکورہ کتاب میں مصنف نے ایک پورا باب "Encounters Between Civilizations" کے عنوان سے قائم کیا ہے جس میں بیسویں صدی کے دوران مغربی غلبے کا خاص طور پر ذکر کیا ہے :

"... that the great event of the twentieth century was the impact of the Western Civilization upon all the other living societies of the world."[21]

ہن ٹنگٹن اپنا مفروضہ پیش کرنے میں ٹائن بی سے متاثر ہے اور وہ خود بھی ٹائن بی کے مغربی تہذیب کی آفاقیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> *"... the assumption that there is 'only one river of civilization, our own, and that all others are either tributary to it or lost in the desert sands... In the late twentieth century have blossomed forth in the widespread and parochial conceit that the European Civilization of West is now the Universal civilization of the world."*[22]

ٹائن بی کے خیال میں تہذیب مغرب میں دو خلاقیت پوشیدہ ہے اور استعداد ہے کہ وہ سب چیلنجوں کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ شر اور منفی قوتوں پر غلبہ پانے کی آخری اور مکمل صورت مغربی تہذیب ہے اور مستقبل میں یہی عالمی ریاست اور عالمی تہذیب ہو گی۔ ہن جنگلٹن کے نزدیک بھی مغربی تہذیب کا حتمی مقصد عالمی سطح پر غلبہ حاصل کر کے مغرب کو عالمی تہذیب قرار دینا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

> *"The West is attempting and will continue to attempt to sustain its preeminent position and defend its interests by defining those interests as in interests of the 'world community'. That phrase has become the euphemistic collective noun to give global legitimacy to actions reflecting the interests of the United States and other Western Powers."*[23]

ایسے ہی تصور کا اظہار ہن ٹنگٹن نے ایک اور جگہ کیا ہے کہ مغربی تہذیب ہی واحد تہذیب ہے جو کسی بھی دوسرے تہذیب یا علاقے کی سیاست، معیشت اور معاشرتی پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ دوسرے معاشرے اپنے اہداف کے حصول کے لیے مغرب کی مدد کے متقاضی ہیں:

> *"The West is the only Civilization which has substantial interests in every other civilization or region and has the ability to effect the politics, economics, and security of every other civilization or region. Societies from other civilizations usually need Western help to achieve their goals and protect their interests."*[24]

جدید تہذیبی مسائل

جدید مغربی تہذیب جو فلسفہ روشن خیالی کی بنیاد پر وجود میں آئی، بلا شرکت غیرے اس وقت دنیا کی غالب تہذیب ہے۔ چونکہ وہ دوسری تہذیبوں کے مقابلے میں ایک غالب تہذیب ہے اس لیے مشرق و مغرب پر اس کے اثرات کہیں زیادہ کہیں کم محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

---

[21] Ibid, p.214.

[22] The Clash of Civilizations and Remaking of World Order, p. 55.

[23] Ibid, p. 184.

[24] Ibid, p.81.

جدید عہد سے پہلے مجموعی طور پر دنیا پر روایتی رنگ غالب تھا۔ روایات کے آپس میں اختلافات کے باوجود دنیا کسی بالاتر ہستی اور حقیقت کے وجود کی معترف تھی۔ علم حقیقی تک رسائی کے ذرائع میں وہ عقل کو وحی اور الہام کے ماتحت سمجھتی تھی۔ ماقبل عہد جدید دنیا میں جتنا بھی اختلاف پایا جاتا ہو کم از کم کثیر الدرجاتی حقیقت اور اس کائنات میں اپنی حیثیت کے بارے میں ان کا نظریہ مشترکہ تھا۔ ہر روایت کے مطابق اس نظریے کی حیثیت مختلف ہو سکتی تھی لیکن اس نظریے پر یقین کے بارے میں ان میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا تھا۔ مگر جدید تہذیب کا خمیر ہی چونکہ روایتی دنیا سے مختلف تھا اس لیے نہ صرف یہ تہذیب فطری طور پر روایتی تہذیبوں سے مختلف تھی بلکہ اسکی عملی صورت میں بھی روایتی دنیا سے کھلا تضاد پایا جاتا تھا۔ اس کے باوجود فوری طور پر تو اس تہذیب نے ایک عالم کو اپنے مادی فوائد سے مسحور کیا لیکن اسکے خمیر میں جو غیر معقولیت پائی جاتی تھی وہ ظاہر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ یہی وجہ ہے کہ دوسری کئی تہذیبوں کے مقابلے میں کم وقت پر محیط اس تہذیب نے نہ صرف اس جگہ کو جو اس کا گہوارہ (مغرب) تھی کئی ایک مسائل سے دوچار کیا بلکہ دنیا کے دوسرے حصوں (مشرق) کو بھی بری طرح متاثر کیا۔ ایسا نہیں کہ دوسری تہذیبوں نے اپنے زمانے میں مسائل پیدا نہیں کیے تھے بلکہ دنیا کو ان تہذیبی ادوار میں بھی کئی مسائل پیش آئے جسکی وجہ ان تہذیبوں کا اپنے فکری مسلک سے ہٹ جاتا تھا۔ جب تک ان تہذیبوں نے اپنے فکری ورثے پر عمل کیا وہ بہت کم مسائل سے دوچار ہوئیں۔ لیکن مغربی تہذیب کی تو فکری بنیاد ہی غلط ہے جسکی وجہ سے دنیا اس قدر مختصر زمانی وقفے میں اس قدر بڑے بنیادی بڑے مسائل سے دوچار ہوئی کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اس تہذیب کا اپنا وجود ہی خطرے میں پڑ گیا ہے۔ حسین نصر اس بات کی طرف یوں اشارہ کر رہے ہیں۔

> *"There is today a danger of disarray and total disorder in modern society even amidst all the political power and economic wealth which it possesses."*[25]

عیسائیت میں مکمل قانون کی کمی___تہذیبی مسائل کی بنیاد

اسلام اخلاقی ہدایات کے ساتھ ساتھ ایک مکمل قانون (شریعت) بھی مہیا کرتا ہے اور انہی وجوہات کی بنا پر وہ اس کائنات میں پائے جانے والے جملہ ادیان و مذاہب میں کامل ترین ہے۔ اس کے برعکس عیسائیت صرف اخلاقیات کا مجموعہ تھی اور ان اخلاقی تعلیمات کیلئے کسی قانونی طاقت کی ضرورت پر بات نہیں کی گئی تھی جس سے ان اخلاقی تعلیمات کا نفاذ ہو سکے۔ عیسائیت میں ایک طرف تو اخلاقیات کے علاوہ دوسرے شعبہ ہائے زندگی کے بارے میں کوئی قانون مہیا نہیں کیا گیا تھا جبکہ دوسری طرف اخلاقیات پر عمل کروانے کے لیے بھی صرف تبلیغ پر اکتفا کیا گیا تھا۔ حسین نصر کے بقول عیسائیت کی یہ اخلاقی تعلیمات بھی اتنی سخت تھیں کہ اولیاء اللہ کے علاوہ عام انسان ان تعلیمات کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ حسین نصر اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کر رہے ہیں:

> *"Christianity on the other hand in conformity with the esoteric character, came as a spiritual way without a Sacred Law. Christ brought a way that was not of this world and a set of exalted spiritual teachings which can be followed fully only by a society of saints."*[26]

---

[25] Nasr, Syed Hossein, A Young Muslim's Guide to the Modern World, p. 207.
[26] The Encounter of Man and Nature, p. 134.

اسلامی علوم کے تراجم سے فیض پانے کے بعد جب مسیحی دنیا میں لوگوں کے فکری دریچے واہوئے تو انہوں نے کلیسا کے بندھنوں کے خلاف شدید رد عمل کا اظہار کیا۔ کلیسا اور عوام کی اس لڑائی میں شکست مسیحی روایت کے حصے میں آئی اور مغربی دنیا سے مذہب کو دیس کنارہ مل گیا۔ اس خلفشار کے پیچھے عیسائیت کی نامکمل قانونی حیثیت ایک بڑی وجہ ہے۔ جب مغربی دنیا سے مذہب کو نکال دیا گیا تو پھر سیکولر فکر کو کھلی چھٹی مل گئی جو کلیسا کے رد عمل کے طور پر پروان چڑھی تھی اور پھر اس بنیاد پر مغربی تہذیب وجود میں آئی۔

اگر کبھی عیسائیت میں مکمل طور پر عوام الناس کے لیے معاشرتی اور معاشی ہدایات موجود ہوتیں تو نہ کلیسا کو من مانیوں کا موقع ملتا اور نہ ہی جدید سیکولر تہذیب وجود میں آتی جس نے اپنی فکری اباحیت پسندی کی وجہ سے دنیا کو مسائل کا گہوارہ بنا دیا ہے اور مشرق و دیا اور و مغرب پر اپنے ضرر رساں اثرات ڈالے ہوئے ہے۔ حسین نصر کے بقول:

> *"The very fact there was not within Christianity a detailed instruction about social structure and economic practices led, with a weakening of Christianity in the West, to economic practices and applications of technology to an amassment of wealth which knows no bounds and limits. It has also led to the creation of a modern civilization which has spread to other continents and has brought about political and military situations in which the choice has often had to be made between annihilation and the sacrifice of those values which give dignity to human life-"*[27]

حسین نصر کے بقول موجودہ تہذیبی مسائل کی وجہ مغربی تہذیب کے پیدا کردہ وہ سیاسی معاشرتی اور معاشی حالات ہیں جن میں عامتہ الناس کے لئے اپنی روایتی اقدار کو چھوڑنے کے علاوہ کوئی راستہ باقی نہیں بچا۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں جب عالم اسلام پر مغربی طاقتوں کا قبضہ مکمل ہو گیا تو جہاں مشرق اپنی سیاسی طاقت سے محروم ہوا وہاں خاص طور پر عالم اسلام میں مغرب کی بالادستی کے خلاف مختلف اقسام کے رد عمل بھی پیدا ہوئے۔ عالم اسلام میں مختلف گروہوں نے جو رد عمل ظاہر کیا وہ ایک طرف تو اس بات کی نشاندہی کر رہا تھا کہ مختلف گروہوں نے مغربی تہذیبی مسئلے کو کس طرح سمجھا ہے اور دوسری طرف وہ عالم اسلام پر مغربی اثرات کا بھی تعین کر رہا تھا۔ کیونکہ اگر ایک مسئلے کو پوری طرح سمجھ کے اس کا حل نہ نکالا جائے تو پھر اس کے اثرات سے بچنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

جب مغرب کو سیاسی بالادستی حاصل ہوئی تو مشرق میں دو اقسام کے رد عمل سامنے آئے۔ ایک گروہ تو وہ تھا جس نے اسلام کی بنیادی تعلیمات (صرف شریعت کی حد تک) پر عمل کو مغربی تہذیب کے مقابلے کا طریقہ جانا۔ حسین نصر اس گروہ کو بنیاد پرست (Fundamentalist) کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ دوسرے گروہ نے مغربی تہذیب کا مقابلہ کرنے کے لیے مغربی سائنس سے لیس ہونا ضروری سمجھا اور اسلامی تعلیمات کی تعبیر اس لحاظ سے کرنے کی کوشش کی۔ ان دونوں گروہوں کے رد عمل کے بارے میں حسین نصر لکھتے ہیں:

> *"This (first) group proposed that Muslims should put aside all the philosophical and artistic development of Islamic civilization, the easy mode of life of the big cities and the luxury which accompanied it. This return, they claimed, would strengthen Islam once again. The second possibility was to say that Islam had to be*

[27] The Encounter of Man and Nature, p. 135.

> *modified or modernized in order to accommodate itself to the onslaught of the West with its own worldview, philosophy and ideology."*[28]

ان دونوں گروہوں کے رد عمل مغربی تہذیب کا مقابلہ کرنے کے لیے ناکافی تھے۔ جہاں بنیاد پرستوں نے صرف اسلام کی قانونی جہت کو اہمیت دی اور اسلام کی ثقافتی ترقی اور روایت جس میں اسلامی معاشرت بفنون لطیفہ اور فن تعمیر وغیرہ شامل تھے کو پس پشت ڈالا، وہیں جدت پسندوں نے مغربی تہذیب وسائنس کی فکری بنیادوں کو سمجھے بغیر مغربی سائنس کو اپنانے کی کوشش کی جو انتہائی خطرناک ثابت ہوئی کیونکہ مغربی تہذیب کے خلاف جس احتیاط کی ضرورت تھی یہ گروہ وہ احتیاط نہ کر سکا۔ عالم اسلام میں جدت سیند گردہ مزید دو گروہوں میں تقسیم ہو گیا۔ جن میں سے ایک گروہ سے بے شک مغربی تہذیب کے مقابلے میں بے احتیاطی سرزد ہوئی تھی لیکن وہ اعتقادی طور پر اسلامی تعلیمات سے وابستہ رہا۔ لیکن دوسرا گروہ وہ تھا جو اسلام کو جدیدیت سے ہم آہنگ کرنے کے ستے پر اس قدر آگے چلا گیا کہ اس نے اسلامی تعلیمات کا حلیہ ہی بگاڑنا شروع کر دیا۔ اس گروہ کو تجدد پسند گروہ کا نام دیا جاتا ہے۔ حسین نصر اس گروہ کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کرتے ہیں:

> *The attack against the integrity of the Hadith literature has as one of its major objectives, whether realized consciously or not, to remove the divinely ordained criterion for judging Muslims and therefore to leave the door open for men to follow the line of least resistance before modernism."*[29]

عالم اسلام پر مغربی قبضہ سیاسی طور پر ختم ہونے کے بعد بھی یہ دونوں گروہ (بنیاد پرست جدت پسند اور تجدد پسند) دو مستقل دھاروں کی شکل میں قائم رہے۔ جس سے عالم اسلام کیلئے مغربی تہذیب کے مقابلے کیلئے مجموعی طور پر کوئی فکری رد عمل پیش کرنا مشکل ہو گیا اور عالم اسلام بھی مغربی تہذیب کے پیدا کردہ مسائل سے متاثر ہونا شروع ہو گیا۔

مقصدیت کا خاتمہ:

مغربی تہذیبی مسائل کی ایک اور وجہ مغربی تہذیب میں مقصدیت کا خاتمہ ہے۔ کئی نوجوان نسل، چاہے وہ مغرب میں اور یا مشرق میں وہ طبقہ جو مغربی تہذیب اور طرز زندگی کا گرویدہ ہے اپنے سے پہلی نسلوں کے نظریات سے نہ صرف متنفر ہو چکی۔ ہے بلکہ وہ اپنے والدین اور اس نسل کی اخلاقی روایت سے بغاوت کے نتیجے میں چینی انتشار کا شکار بھی ہو چکی ہے۔ ان کے ہاں زندگی کا کوئی ایسا اعلی وارفع مقصد باقی نہیں رہا جس کے لیے زندگی کو جیا جائے۔ کیونکہ مادیت پرستی بذات خود کوئی ایسا مقصد نہیں جو کلی طور پر زندگی کا مقصد بن سکے یا دوسرے الفاظ میں یہ مقصد اس قدر حقیر ہے کہ جب اسکو حاصل کر لیا جاتا ہے تو بھی زندگی میں کسی اعلیٰ وارفع مقصد کیلئے خلا باقی رہتا ہے جس کے لیے زندگی کو گزارا جا سکے۔ اسی ذہنی انتشار کی حالت میں دو لوگ جو روایت سے منقطع ہوئے۔ منشیات اور بے راہ روی سمیت مختلف مسائل کا شکار ہو چکے ہیں اور مزید اس دلدل میں دھنستے جا رہے ہیں۔

[28] Nasr, Syed Hossein, A Young Muslim's Guide to the Modern World, p. 119.

[29] A Young Muslim's Guide to the Modern World, p. 119.

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3, No.4, 2025

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

حسین نصر لکھتے ہیں:

"The modern life style is also characterized to a large extent by an earnest search for meaning. It is the loss of the meaning of life for many of the young that leads them either down the road of immediate sensual gratification through sexuality or the use of drugs and in some cases to violence a and crime."[30]

دین اسلام میں صرف دنیاوی زندگی کی مادی فلاح و بہبود کوئی ایسا مقصد نہیں جس کے لیے زندگی کو جیا جائے۔ ایسا نہیں کہ اسلام مادی فلاح و بہبود کو کوئی اہمیت نہیں دیتا یا اس سے کنارہ کش ہونے کا درس دیتا ہے بلکہ دین اسلام میں مادی فلاح و بہبود ایک ضمنی مقصد ہے جو کہ مقصد اصلی کے حصول کے ساتھ ساتھ خود بخود حاصل ہو جاتا ہے۔ اسلام میں حیات کا اصلی مقصد نجات اخروی ہے جس میں انسان توشہ آخرت کا سامان کرتا ہے۔ نجات اخروی کا یہ مقصد ایک مسلمان کی زندگی کی سمت کو نہ صرف متعین کرتا ہے اور اسکو ایک بامقصد زندگی جینے کا حوصلہ دیتا ہے بلکہ اس دنیا میں انسان کو سیدھے راستہ سے بھٹکنے سے بھی روکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب ہم اسلامی تہذیب کی تمدنی ترقی کا مغربی تہذیب و تمدن کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں تو ہم جانتے ہیں کہ مغربی تہذیب کے برعکس اسلامی تہذیب میں تمام تر تمدنی ترقی کا اصل مقصد مابعد الطبیعاتی تھا۔ اسلامی تہذیب کی ہر شعبہ ہائے زندگی میں تمدنی ترقی کا مقصد اس طبعی زندگی کو مابعد الطبیعاتی مقاصد کے حصول کے لیے سہل بنانا تھا۔ اسلام کی تمدنی ترقی اسکے کثیر الدر جاتی حقیقت کے نظریے پر مہر ثبت کرتی تھی اور یہ خبر دی تھی کہ اس دین کے ماننے والوں کے لیے واقعی میں کوئی ایسا اعلی و ارفع مقصد موجود تھا جس کے لیے انہوں نے ہر شعبہ ہائے زندگی میں اپنی عمروں کو وقف کیا ہوا تھا جبکہ جدید مغربی تہذیب کا اصلی مقصد حیات صرف اس چند روزہ زندگی کی فلاح و بہبود ہے۔ جو حقیقت میں اس قدر رزیل مقصد ہے کہ جب یہ مقصد پورا ہو جاتا ہے تو انسان کے سامنے کوئی ایسا مقصد باقی نہیں رہتا جس کے لیے زندگی کو جیا جائے۔ یہ بات جہاں اسکو نفسیاتی عوارض اور بے راہ روی کا شکار بناتی ہے وہیں کئی ایک مسائل کا پیش خیمہ بھی جاتی ہے جو جدید تہذیب کی پہچان بن چکے ہیں۔

انفرادیت پسندی (Individualism) اور تہذیبی مسائل:

جدید تہذیب میں انفرادیت پسندی کی فکر کا بھی جدید تہذیبی مسائل کی مو میں کوئی حصہ ہے اس تہذیب نے رواں قدر اہمیت دی ہے کہ معاشرے اور سماج کی ساری کی ساری یکجہتی اور توازن زائل ہو گیا ہے۔ فرد اور معاشرے میں توازن پر زور دیتی ہوئی اسلامی تعلیمات کے برعکس جدید تہذیب ہر مسئلے کو فرد کے نقطہ نظر سے دیکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ جس سے کوئی بھی مسئلہ حل ہونے کی بجائے اور الجھ جاتا ہے۔ مغربی تہذیب میں فرد کو اس قدر اہمیت دی جاتی ہے کہ معاشرے کے حقوق کو فرد کے حقوق پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ انفرادیت پسندی کی یہ فکر کئی مسائل کا سرچشمہ ثابت ہوئی ہے۔

جب ہم اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلام میں انفرادی حقوق پر اجتماعی حقوق کو فوقیت دی جاتی ہے کیونکہ دوسری طرف ایک فرد کی بجائے کئی افراد کا معاملہ ہوتا ہے۔ اسلام انفرادی و اجتماعی حقوق و فرائض کے درمیان اس قدر خوبصورتی سے توازن پیدا کرتا ہے کہ

[30] Nasr, Syed Hossein, A Young Muslim's Guide to the Modern World, p. 233.

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3, No.4, 2025

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

کسی بھی قسم کا عدم توازن پیدا نہیں ہوتا۔ اس بات میں کی شک وشہ کی گنجائش نہیں کہ جب اسلام کسی اجتماعی فائدے کی خاطر کسی فرد کے ذاتی فائدے کو نظر ادا کرتا ہے تو درحقیت وہ بذات خود اس فرد کے طویل المدتی فائدے کی بات کر رہا ہوتا ہے کیونکہ وہ فرد بھی معاشرے کا ایک اہم رکن ہوتا ہے۔

انفرادیت پسندی کے اس معاملے پر اسلامی اور مغربی تہذیب کے تضادات کئی ایک معاملات میں کھل کر سامنے آتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر اسلامی سزاؤں میں قصاص کا معاملہ دیکھا جائے جس پر مغرب میں بے جا تنقید کی جاتی ہے اور یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ اسلام ایک فرد کو اس کی زندگی سے محروم کر کے اس فرد کے حق کو پامال کرتا ہے تو انفرادی اور اجتماعی حقوق وفرائض کے معاملے میں دونوں تہذیبوں کے تضادات کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔ اس معاملے میں مغرب اگر ایک فرد کی زندگی کو دیکھا ہے تو اسلام ان اشخاص کی زندگیوں کو اہمیت دیتا ہے جو اس فرد کی درندگی کا شکار بنے۔ جہاں ایک آدمی کو تو اس شخص نے اسکی زندگی سے محروم کر دیا اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے پسماندگان کو اپنے ایک قریبی عزیز کی صحت سے بھی محروم کیا وہیں دوسری طرف معاشرے کے دوسرے افراد میں بھی وحشت اور خوف کے جذبات کو ہوا دی۔ اس طرح جب ایک فرد پورے معاشرے میں بے چینی کا سبب بنا تو اسلام اس فرد کو اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتا اور اسے سزا کا حقدار سمجھتا ہے۔ کیونکہ اسلام اس معاشرے میں امن وسکون کی فضا قائم رکھنا چاہتا ہے۔ جس معاشرے کا خود وہ فرد بھی ایک حصہ ہے۔ اگر آج وہ خود اس معاشرے میں بے سکونی کا باعث نہ بنا ہوتا تو وہ خود بھی اس بے چینی کا شکار ہوتا جس کا شکار اس نے معاشرے کے دوسرے افراد کو کیا۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام انفرادیت پسندی کو اتنی اہمیت نہیں دیتا کہ وہ اجتماعی حقوق کو غارت کرے اور معاشرہ ان مسائل کا شکار ہو جن مسائل سے جدید تہذیب اسکو دوچار کیے ہوئے ہے۔

جنسی بے راہ روی اور خاندانی نظام کی تباہی:

انفرادیت پسندی کی یہی فکر ہے جس نے مغرب میں خاندانی نظام کو تباہ کر دیا اور مشرق میں بھی اسکی بنیاد رکھ دی ہے۔ انفرادیت پسندی کی یہ فکر فرد کو اس قدر آزادی دیتی ہے کہ پھر وہ کسی بھی قسم کی مذہبی، اخلاقی یا خاندانی پابندی کو برداشت کرنے پر تیار نہیں ہوا اور اپنی جلی خواہشات کو غلط طریقے سے پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حسین نصر یوں رقمطراز ہیں۔

> *"There are many people in the West who follow Christianity but to an ever greater extent especially in big cities not only sexuality outside of marriage but also infidelity within marriage, as well as various forms to homosexuality have become more and more prevalent during the last generation."*[31]

اس کا نتیجہ خاندان کی تخریب کی صورت میں نکلتا ہے جو مغرب میں ایک واضح حقیقت ہے اور مشرق میں بھی جس کی شدت اب پوری طرح محسوس کی جارہی ہے۔ ایسے گھروں میں پرورش پانے والے نونہال کس طرح سلبی سماجی رویوں کو اختیار کر لیتے ہیں یہ حقیقت کسی سے بھی چھپی ہوئی نہیں۔ اس خاندانی تخریب اور جنسی بے راہ روی کے پیچھے انفرادیت پسندی کی فکر ہی کار فرما ہے۔ حسین نصر ان الفاظ میں اس طرف اشارہ کرتے ہیں۔

[31] Ibid p. 231.

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

"The major force behind the changes that occur so abruptly in the social order in the modern world is what is called individualism or the rights of the individual."[32]

آج جنسی بے راہ روی اور خاندان کی تباہی نہ صرف بذات خود ایک تہذیبی مسئلہ بن چکا ہے بلکہ مزید کئی مسائل کا سبب بھی ہے۔ اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ یہ بے راہ روی اور خاندانی تخریب حد سے زیادہ انفرادیت پسندی کا ہی نتیجہ ہے۔ جبکہ اسلام بھی ہے اوردی کو ہر ممکن طریقے سے روکتا ہے۔ اخلاقی ترغیب، سخت سزا کا ڈر، ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت ہو یا چار شادیوں کی قدغن، یہ سب چیزیں معاشرے کے افرد کو جنسی بے راہ روی سے روکنے کا سبب ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام ان تمام کاموں کو جو فحاشی کے زمرے میں آتی ہیں یا اس کے پھیلاؤ کا سب بنتی ہیں پر بھی قدغن لگاتا ہے اور ان افراد کے لیے جو اسلامی معاشرے میں فحاشی کا سبب بنتے ہیں دنیا و آخرت میں سخت عذاب کی وعید سناتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ[33]

جہاں تک خاندان کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر ہے تو وہ خاندان کو بہت اہمیت دیتا ہے اور نہ صرف اسکو اسلامی معاشرہ کا پہلا ادارہ سمجھتا ہے بلکہ اسکی پرائیویسی کو بھی اہمیت دیتا ہے۔ نبی ﷺ سے بے شمار احادیث مروی ہیں جن میں آپ نے افراد خانہ کے ساتھ حسن سلوک کا درس دیا ہے۔ الغرض اسلام جنسی بے راہ روی اور خاندانی تخریب کو ہر ممکن طریقے سے روکنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ معاشرہ ان مسائل کا شکار نہ ہو جو جدید تہذیب کی بدولت چہار سو نظر آ رہے ہے۔

فطرت کی تباہی:

اسی انفرادیت پسندی اورانسانیت دوستی (Humanism) کا نتیجہ فطرت کی تباہی کی صورت میں بھی نکلا۔ جدید تہذیب کو سائنس کی مدد سے فطرت کو کسی دشمن کی طرح برباد کرنے کے پیچھے بھی انسان دوستی کا یہی نعرہ موجود ہے۔ فطرت کی اسی غیر متوازن صورتحال کی وجہ سے ساری دنیا آج تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے۔ حسین نصر یوں رقمطراز ہیں:

"It is the purely earthly man defined by rationalism and humanism who developed seventeenth century science based upon the domination and conquest of nature who sees nature as his enemy and who continues to rape and destroy the natural environment always in the name of the rights of man."[34]

جدید تہذیب کا نظریہ ہی تسخیر فطرت اور فطرت سے تصادم کا ہے۔ جدید مغربی تہذیب کی رو سے فطرت انسان کی ترقی اور اس کے غلبے کی راہ میں رکاوٹ ہے لہٰذا اسکی تسخیر اور اس پر غلبہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس تہذیب میں فطرت کا احترام اور اس سے ساز گاری، اس کا خوف اور اسکی پرستش کی جگہ اس کی تسخیر کا تصور اجاگر ہوا ہے۔ سائنسی ترقی اور ایجادات کی روح یہی احساسِ برتری ہے۔

علامہ اقبال نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

وہ فکر گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو

---

[32] Nasr, Syed Hossein, A Young Muslim's Guide to the Modern World, p. 201.

[33] سورۃ النور، آیت نمبر ۱۹

[34] Nasr, Hossein, A Need for a Sacred Science, p. 136.

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.3, No.4, 2025
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

اسی کی بے تاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ [35]

تسخیر کائنات مغرب کا نصب العین ہے اور اس سلسلے میں اس نے وقتی ایجادات وانکشافات کی ایک دنیا آباد کی ہے۔ سائنس وانقلابات کے میدان میں بپا انقلاب نے اسے دنیا میں غلبہ عطا کیا ہے۔ اسے فی الواقع سیادت وامامت کا درجہ حاصل ہے۔ لیکن اس تصور میں ایک بنیادی فکری خامی پنہاں ہے اور وہ فطرت اور کائنات کو ایک مخالف و مد مقابل قوت قرار دینا ہے۔ تسخیر کا سارا فلسفہ اس تصور پر قائم ہے کہ فطرت و کائنات انسان کی مخالف و مزاحم ہیں لہذا انہیں زیر کرنے، کنٹرول کرنے اور مغلوب کرنے کی جہد وجہد کرنی چاہیے۔

فطرت کی طاقتوں کو کنٹرول کرنے اور انہیں کام میں لانے کے لیے فطرت کے مخالف ہونے کا تصور کیا ضروری ہے؟ یہی وہ نقطہ ہے جس کو جدید مغربی تہذیب کے فکری امام نظر انداز کرتے ہیں خالق کائنات نے اس میں ایک نازک توازن قائم رکھا ہے جو اس کی تخلیق و تنظیم کا حصہ ہے۔ انسان نے اپنی طاقت کے نشے میں اس نازک توازن کو بگاڑنا شروع کیا ہے۔ اسے اس کا قدرے احساس ہوا ہے اور اب ماحولیات کے عنوان سے فطرت کے ساتھ سازگاری کے قدرتی تصور کی طرف آرہا ہے اور تحفظ ماحولیات جیسے نعرے ایجاد کر رہا ہے۔ لیکن جدید مغرب کا غرور اور خدا بیزاریت اسے استدلال کی راہ پر لانے میں رکاوٹ ہے۔ کوئی بعید نہیں کہ جدید مغرب کا یہ طرز عمل کسی بڑی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہو۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ انسان اور فطرت کے درمیان تسخیرہ تصادم کے سوا بھی کوئی تعلق ہو سکتا ہے یا نہیں؟ جہاں تک فطرت کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر ہے تو قرآن وہ منفرد کتاب ہے جس نے فطرت کے متعلق ایک متوازن نقطہ نظر پیش کیا ہے۔ قرآن کے مطابق فطرت، مظاہر فطرت اور نظام فطرت اپنے خالق کی گرفت میں ہیں اور اس کی تخلیق کے ربانی مقاصد ہیں۔ مظاہر فطرت میں الوہیت کے اختیارات نہیں ہیں اور نہ فطرت اللہ تعالی کا مسکن ہے۔ فطرت مخلوق ہے اور تمام مظاہر فطرت کو نظام کائنات میں مسخر کیا گیا ہے۔ انتظام فطرت انسان کے لیے ساز گار بنانے کی خاطر پہلے ہی مسخر کیا جا چکا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق انسان کا کام اس کی کھوج لگانا اور اس کو کام میں لانا ہے۔ قرآن حکیم میں جابجا مظاہر فطرت کی تسخیر کا مضمون ملتا ہے:

"أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَ أَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمه"

قرآن مجید کے مطابق پوری کائنات تکوینی طور پر مسخر ہے اور انسان کے لیے ساز گار بنائی گئی ہے۔ انسان اپنی محنت سے اس سے استفادے کی صورتیں پیدا کر سکتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق فطرت انسان کے مد مقابل نہیں کہ انسان اس پر غلبہ پانے کی اور اسکو تباہ کرنے کی کوشش کرے۔ تسخیر کے اس تصور میں تحقیق و جستجو کی بھی گنجائش ہے اور اسکی قوتوں کو کام میں لانے کی حوصلہ افزائی بھی۔ بدقسمتی سے مسلمانوں نے تسخیر کائنات کے اس قرآنی تصور سے انحراف کر کے یونانی اور مجوسی تصور کو اپنایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تحقیق و جستجو کے میدان میں کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ جہاں تک فطرت کے خدائی اختیارات اور پر اسرار اثرات کا تعلق ہے تو قرآن کا تصور تخلیق و تسخیر اسکی نفی کرتا ہے۔ مسلمان معاشروں میں جادو سفیات اور علم نجوم وغیرہ غیر مسلم اقوام کے ذریعے سے آئے اور روایتی دینی طبقات کی عدم توجہی کی وجہ سے اس کو فروغ حاصل ہوا۔ فطرت کے خدائی کے انکار پر اسلام جدید تہذیب سے متفق ہے لیکن اسکی تخریب اور تحقیر پر اختلاف رکھتا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر کے مطابق یہ کائنات تکوینی طور پر

[35] اقبال، علامہ محمد، بال جبریل، نظم: زمانہ

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3, No.4, 2025

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

بندگی رب میں مصروف ہے اور اس کا ذرہ ذرہ امر الٰہی کی اطاعت میں جکڑا ہوا ہے۔ احکام الٰہی کی تکوینی پابندی پورے نظام فطرت میں دیکھی جاسکتی ہے جسے سائنس دان قوانین فطرت (Laws of Nature) کا نام دیتے ہیں۔ یہ قوانین واحکام الٰہی ہی تو ہیں جس پر پورا نظام فطرت چل رہا ہے۔ اسلامی تہذیب میں انسان اختیاری اطاعت الٰہی میں اپنے آپ کو کائنات سے ہم آہنگ کرلیتا ہے جس کی وجہ سے بہت سے وہ مسائل پیدا نہیں ہوتے جو جدید تہذیب کے فطرت کے بارے میں نقطۂ نظر کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں اور جو تمام عالم کو متاثر کر رہے ہیں۔

تعلیمات نبوی اور عالمگیر تہذیب

ماضی کی تہذیبیں یا حال کی، تمام تہذیبیں عالمگیریت کے تصور کی متقاضی رہی ہیں اور پھر اسی عالمگیریت کے تصور کے تحت معروضی حالات سے موافقت کی وجہ سے دنیا کے سیاسی وجغرفیائی منظر نامے پر چھائی رہیں۔ مگر کسی تہذیب کا دنیا کو سیاسی لحاظ سے فتح کرلینا اور جغرفیائی لحاظ سے اس کو اپنی آماجگاہ بنالینا اپنے اندر کوئی معنویت نہیں رکھتا جتنا کہ اس تہذیب کا پیغام اور اس کے اصولِ جہاں بانی و جہانگیری، اس کا نظام فلسفہ واخلاق اور نظام اقدار وروایات اہمیت رکھتے ہیں۔ ورنہ سیاسی غلبہ ہی اگر سب کچھ ہوتا اور مقصود بالذات ہوتا تو تاتاری تہذیب دنیا کی عظیم تہذیبوں میں شمار ہوتی۔ مگر دنیا کے اہل دانش اس بات سے باخوبی آگاہ ہیں کہ سیاسی اور جغرافیائی طور پر فاتح ہونا اتنی قدر ومنزلت نہیں رکھتا جتنا کہ اس فاتح تہذیب کا پیغام اہمیت رکھتا ہے۔ اسی طرح مادہ اپنے تصرف میں لاکر اس سے نئی نئی ایجادات واختراعات کی بناپر عالمگیریت کا دعوی کرنا انسانیت کا طرہِ امتیاز نہیں ہے کہ مادہ سے محبت کی جائے اور اس کو ہی سب کچھ سمجھ لیا جائے۔

اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کو رحمۃ للعلمین کا خطاب فرماتے ہوئے آپ کو اپنی صفت اور شان علم سے نوازا۔ لہٰذا اس اصول سے یہ بات لازم ٹھہرتی ہے کہ عالم گیر تہذیب کہلانے کی حق دار وہ تہذیب ہے جو علم حقیقی اور اخلاق حسنہ کی حامل ہو۔ اس لحاظ سے امت مسلمہ ہی واحد عالمگیر تہذیب کہلا سکتی ہے کہ یہ امت اپنے نبی کی شانِ علم واخلاق کی حامل ہے۔ خود بائبل کے مطابق مسیحی تہذیب عالمگیر تہذیب ہونے کا دعوی نہیں کرسکتی۔ کیونکہ حضرت عیسی کی بعثت عالمگیریت کا پیغام نہیں رکھتی تھی بلکہ ان کی بعثت بنی اسرائیل کی طرف ہوئی تھی۔ حضرت عیسی کا قول ہے:

I am not sent unto the lost sheep of the house of Israel[36]

"میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔"

سیموئیل ہن ٹنگٹن (Samuel P. Huntington) کا کہنا ہے کہ مغربیت کو اختیار کرنا (Westernization) اور جدید کاری (Modernization) دو مختلف چیزیں ہیں۔ جدید کاری کا مغربیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی تہذیب جدید کاری کا عمل جاری رکھے ہوئے ہو مگر وہ مغربیت کے خلاف ہو۔ جدید کاری عالمگیر تہذیب (Universal Civilization) کی غماز ہے۔ اس طرح مغربی تہذیب کی اقدار عالمگیر ہیں۔ ہن ٹنگٹن کا یہ خیال اس کی خوش فہمی پر دلالت کرتا ہے جو عموماً مختلف تہذیبوں کے مفکرین کو ہوتا ہے:

"Modernization, in short, does not necessarily mean Westernization." "The concept of universal civilization is a distinctive product of Western civilization. In the nineteenth century the idea of the white man's burden' helped to justify the extension

---

[36] The Holy Bible, St. Mathew (Book), chapter 15, verse 24.

of Western political and economic domination over non-Western societies. At the end of twentieth century the concept of a universal civilization helps to justify Western cultural dominance of other societies and the need for those societies to ape Western practices and institutions. Universalism is the ideology of the West for confrontations with non-Western cultures."[37]

اس کے برعکس مغربی مفکر ٹائن بی کہتا ہے کہ جدید کاری دراصل مغربیت (Westernization) کے مترادف ہے اس لحاظ سے جدید کاری کا مطلب ہی مغربیت کو بغیر کسی ردوقدح کے اپنانا ہے:

"Today the whole World is bent on being modern: but this agreeable word 'modern' is a euphemism. It is a substitute for the less agreeable word 'Western' One may want to adopt an alien way of life, or, short of wanting to, one may feel that this is the only alternative to going under. But it goes against the grain to admit that one's own ancestral way of life is not adequate to the situation in which one now finds oneself. The word 'modern' saves face, so it has become a holy word, and it has brought along with it two other holy words: 'science' and 'democracy' every nation and every individual in the present-day world feels bound to lay claim to being 'modern', 'scientific', and 'democratic' To disclaim any one of these sanctifying epithets, and, a fortiori, to disclaim the whole trio, would be tantamount to confessing that one was willfully putting outside the pale of civilization and was deliberately choosing to sit in outer darkness."[38]

اسی طرح مغربی اقدار اور اس کے مہابیانیے (Metanarratives) کسی صورت میں عالمگیر نہیں کہلا سکتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ اس آفتاب توحید نے طلوع ہوتے ہی تفریق وانشقاق کی تمام تاریکیوں کو مٹادیا اس کی روشنی کی فیضان بخشی میں اسود وابیض اور عرب و عجم کی کوئی تمیز تھی۔ خدا کی ربوبیت کی طرح اس کی رحمت بھی عام تھی۔ وہ رب العلمین "تھا۔ پس ضرور تھا کہ اس کی طرف دعوت دینے والا بھی "رحمة للعلمين "ہو۔ اسلام کا زاویہ نگاہ یک قلم عالمی اور بین الاقوامی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ پوری کائنات کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے تھے اور حضور نے جب تبلیغی دعوت نامے ارسال فرمائے تھے تو وہ صرف رؤسائے عرب تک محدود نہ تھے بلکہ ایران کے کسری، مشرقی روم کے قیصر، مصر کے مقوقس اور حبش کے نجاشی کے لیے بھی تھے، یہ ملک عرب کے ارد گرد واقع تھے۔ ان کے ساتھ عربوں کے تجارتی روابط تھے اور وہ ان ملکوں میں جاتے آتے تھے۔ یہ عالمی دعوت اسلام کی طرف پہلا قدم تھا۔ قرآن حکیم نے توحید الہی کے داعی کریم کو "سراج منیر" سے ملقب کیا اور ان کے خصائص کریمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا[39]

---

[37] The Clash of Civilizations and Remaking of World Order, p. 66, 76,78.

[38] Toynbee, Present day experiment in western civilization, oxford, university press, 1962, p. 24.

[39] الاحزاب، 45

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3, No.4, 2025

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

اے پیغمبر بے شک ہم نے تم کو شہادت دینے والا، بشارت پہنچانے والا، ضلالت خبائث سے خوف دلانے والا، راہ انہی کی طرف داعی اور ایک نورانی مشعل بنا کر بھیجا ہے۔"

لیکن ایک دوسرے موقع پر آفتاب کو بھی "سراج" کے لقب سے یاد کیا ہے۔

وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا[40]

اور آسمان میں خدا نے چاند کو بھی بنایا، جو ایک نور ہے اور سورج کو بھی بنایا کہ وہ ایک روشن مشعل ہے۔"

اس مماثلت سے مقصود یہ تھا کہ اسلام کی دعوت بھی اس آفتاب مادی کی طرح ایک آفتاب روحانی ہے۔ آفتاب جب نکلتا ہے تو اس کی روشنی اور حرارت میں کوئی تمیز نزدیک و دور، اعلیٰ وادنی سیاہ و سفید، باغ و دشت کی نہیں ہوتی۔ اس کی روشنی بلا تمیز مکان و مقام ہر شے پر چھکتی اور ہر حرارت پذیر وجود کو گرم کرتی ہے۔ بعینہ یہی حال اس آفتاب دعوت الٰہی اور نیز درخشاں سمائے رسالت کی عموم فیضان بخشی کا تھا، جو گو سعیر سے چلا مگر فاران کی چوٹیوں پر نمودار ہوا جس کی کرنوں میں دینی جانب شریعت الٰہی کا نور و کتاب مبین تھی مگر بائیں جانب قیام عدل کی شمشیر آبدار چمک رہی تھی۔ جس کا طلوع کائنات میں ظلمت کی شکست تھی۔ اسی طرح فرمایا:

وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ[41]

اے بنی ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

یعنی تم صرف اسی شہر، یا اسی ملک، یا اسی زمانے کے لوگوں کے لیے نہیں بلکہ تمام دنیا کے انسانوں کے لیے اور ہمیشہ کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے ہو۔ مگر یہ تمہارے ہم عصر اہل وطن تمہاری قدر و منزلت کو نہیں سمجھتے اور ان کو احساس نہیں ہے کہ کیسی عظیم ہستی کی بعثت سے ان کو نوازا گیا ہے۔ یہ بات کہ نبی صرف اپنے ملک یا اپنے زمانے کے لیے نہیں بلکہ قیامت تک پوری نوع انسانیکے لیے مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آپ کی عالمگیر حیثیت بیان کی گئی ہے۔ مثال

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا[42].

اے بنی کہہ دو اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

خلاصہ بحث:

موجودہ تہذیبی کشمکش کا شکار پورا مشرق اور خاص طور پر عالم اسلام ہے۔ جب کہ اسلام ایک مکمل دین ہے جو اپنے ماننے والوں کے لیے زندگی کے ہر شعبے میں راہ نمائی کا فریضہ سر انجام دیتا ہے اس لیے وہ اس تہذیبی کشمکش کا دوسری مشرقی تہذیبوں کی نسبت زیادہ شکار نظر آتا ہے۔ جہاں تک اسلامی

[40] نوح، 16

[41] سورۃ سبا، 28

[42] الاعراف، 158

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.3, No.4, 2025
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

تہذیب کا تعلق ہے وہ ایک شاندار ثقافت کی امین ہے۔ جو زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہے لہذا اسلامی تہذیب زندگی کے ہر شعبے میں جدید مغربی تہذیب کے ساتھ ٹکراؤ کی کیفیت میں ہے۔

تہذیبوں کے درمیان پائی جانے والی یہ کشمکش اور ٹکراؤ کی کیفیت بذات خود کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس پر پریشان ہوا جائے کیونکہ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو وہ روز اول سے کفر کے ساتھ ٹکراؤ کی کیفیت میں ہے۔ اپنے عقائد اور اس نظام کے سلسلے میں جو اسلام اس دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے اسلام ذرہ برابر مداہنت کا قائل نہیں۔ اپنے علاوہ ہر نظام کو وہ غلط سمجھتا ہے اور اس کے خلاف ببانگ دہل اعلان جنگ کرتا ہے۔ اسلام کو اپنی حقانیت کا پورا یقین ہے اور وہ یہ خواہش رکھتا ہے کہ تمام بنی نوع انسان اس کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیں، لیکن اس سلسلے میں وہ کسی زور زبردستی اور اکراہ جبر کا قائل نہیں ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ نظام کی حد تک تو دین اسلام کسی دوسرے نظام کو برداشت کرنے کو تیار نہیں کیونکہ وہ صرف اپنے آپ کو ہی دنیا کا غالب نظام دیکھنا چاہتا ہے۔ لیکن انفرادی طور پر وہ کسی کو اپنا طوق گلے میں ڈالنے کے لیے مجبور نہیں کرتا اور نہ وہ اس بات کا قائل ہے۔ اسکی یہ خواہش ضرور ہے کہ تمام انسان مسلمان ہو جائیں لیکن اس خواہش کی تکمیل کے لیے وہ دلیل اور مکالمے کے راستے کا انتخاب کرتا ہے۔ وہ لوگوں کے اذہان کو قائل کرتا ہے کہ یہی دین دین حق ہے اور اس کے لیے وہ عقلی دلائل کا سہارا لیتا ہے۔